۲۲ ستمبر ۷۳ء

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۲ ۹
فون نمبر ۲۹

ایڈیٹر
آل احمد سرور

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲
قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی کاپی ۲۰ پیسے

ہفتہ وار
ہماری زبان

جلد ۳۲ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۳۶

آل احمد سرور

بنّے بھائی

سجاد ظہیر کا ۱۳ ستمبر کو قزاقستان کے صدر مقام الماآتا میں ۶۸ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ وہ وہاں افرو ایشیائی ادیبوں کی کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے گئے تھے۔ کانفرنس کے دوران انھیں سینے میں درد محسوس ہوا۔ فوراً اسپتال لے جائے گئے۔ معلوم ہوا کہ دل کا دورہ پڑا ہے۔ پوری توجہ سے علاج ہوا، مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ انتقال سے دو دن پہلے بے ہوش ہوگئے تھے۔ پندرہ ستمبر کو ایک خاص ہوائی جہاز کے ذریعہ اُن کا جسد خاکی دہلی لایا گیا۔ کئی روسی ادیب اور فیض احمد فیض ہمراہ تھے۔ کچھ دیر کمیونسٹ پارٹی کے دفتر میں لوگوں کو آخری دیدار کا موقع دیا گیا اس کے بعد سہ پہر میں جامعہ ملیہ میں اُن کی تدفین عمل میں آئی۔

سجاد ظہیر کو میں ذاتی طور پر ۱۹۳۶ء سے جانتا تھا۔ اس سے پہلے ان کا ایک مقالہ "سرمایہ داری کا بحران" یونیورسٹی یونین کے ایک جلسے میں سن چکا تھا اور افسانوں کے اس مجموعے سے متعارف تھا جو انگارے کے نام سے شائع ہوا اور بعد میں ضبط ہوگیا اور جس میں ادبی حیثیت سے سب سے اچھے افسانے انھیں کے تھے۔

۱۹۳۹ء کے جاڑوں میں سجاد ظہیر خواجہ منظور حسین صاحب کے ساتھ غریب خانے پر آئے۔ میں اس وقت انگریزی کے شعبے میں لیکچرر تھا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی ایک شاخ علی گڑھ میں قائم کرنے کا خیال تھا۔ دونوں کے اصرار پر میں اس شاخ کا سکریٹری بننے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ اسٹاف کلب میں اس کے باقاعدہ جلسے ہوتے تھے جس میں خواجہ منظور حسین، ڈاکٹر عبدالعلیم، خواجہ غلام السیدین، اختر انصاری اور علی گڑھ کے بہت سے ادیب شریک ہوتے تھے۔ سجاد ظہیر نے اس زمانے میں ایک ڈرامہ "بیمار" لکھا تھا۔ وہ بھی منظور صاحب کے یہاں ایک اجتماع میں سنایا۔ علی گڑھ میں کئی سال تک انجمن کے جلسے پابندی سے ہوتے رہے۔ اُس وقت نئے پرانے سبھی ادیب اس کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ سجاد ظہیر کی شخصیت میں شروع سے ایک دلآویزی

نرمی اور دلداری محسوس ہوئی۔ یہ نقش آخر تک قائم رہا۔

سجاد ظہیر ترقی پسند تحریک کے بانیوں میں سے تھے۔ ہر تحریک کی طرح یہ تحریک بھی مختلف منزلوں سے گزری۔ شروع میں اس میں ادعائیت زیادہ تھی۔ پھر ایک توازن آیا۔ توازن لانے میں سجاد ظہیر کا ہاتھ زیادہ تھا۔ اوائل ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ کی ایک کانفرنس میں شریک ہوا تو سجاد ظہیر اور ان کی بیگم رضیہ سے ملنے اور تبادلۂ خیالات کرنے کا بھی موقع ملا۔ رضیہ اس زمانے میں الٰہ آباد یونیورسٹی میں اردو ایم۔ اے کی طالبہ تھیں۔ سجاد ظہیر نے فاشزم کے بڑھتے ہوئے خطرے اور جنگ کے منڈلاتے ہوئے بادلوں کی طرف ایک مقالے میں توجہ دلائی۔ کانفرنس میں اردو اور ہندی کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی تجاویز پر بھی غور کیا گیا تھا۔ نریندر شرما نے شدھ ہندی میں ایک مقالہ پڑھا۔ اس وقت سجاد ظہیر نے کہا کہ ہم تھوڑی سی ہندی سیکھ کر سمجھتے تھے کہ کام چل جائے گا مگر نریندر شرما کی ہندی تو ہمارے پلّے پڑتی ہی نہیں۔

ترقی پسند ادیبوں میں اس وقت بڑا جوش تھا۔ نیا ادب لکھنؤ سے شائع ہونے لگا تھا۔ جوش لکھنؤ آگئے تھے۔ مجاز اور سردار بھی یہاں تھے۔ یہ تحریک وقت کی آواز تھی۔ ہم لوگ سب جو ہندوستان کی آزادی، سماجی انصاف اور ادب میں تجربات کی ضرورت اور بلند مقاصد کی ترویج سے متفق تھے اس میں دل و جان سے شریک ہوگئے۔ ادبی رَو کی حیثیت سے ترقی پسند تحریک بہت کامیاب رہی۔ اس کی تنظیم کبھی بہت چست نہ ہو سکی، مگر اس کا یہ کارنامہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس نے ہندوستان کی تمام بڑی زبانوں کے خاصے ممتاز ادیبوں کو اپنے حلقے میں لے لیا تھا اور عالمی ادب کے معنی خیز میلانات کی بھی عکاسی کر رہی تھی۔ سجاد ظہیر اس زمانے میں کانگریس میں شامل ہوگئے تھے۔ لندن کی ایک رات کے تعارف میں انھوں نے تخلیقی کام کے مقابلے میں عملی سیاست میں شرکت کو ترجیح دی تھی۔ اس سے نمایاں ظاہر تھا کہ ادب ان کے نزدیک سیاسی انقلاب لانے کا ذریعہ تھا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ جو ادیب جتنا زیادہ سیاسی کاموں میں حصّہ لے گا، اتنا ہی اس کا ادب جاندار ہوگا۔ میرے نزدیک زندگی کے ہر شعبے کا علم اور سیاسی شعور ادیب کے لئے ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ عملی سیاست میں بھی حصّہ لے۔ ہاں عملی سیاست ادیب کے لئے شجرِ ممنوعہ بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی ادیب ادب کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے سیاست میں حصّہ لے تو لے سکتا ہے اور کوئی ادیب عملی سیاست میں حصّہ نہ لے تو اس کے ادب میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ احتشام حسین کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انھوں نے عملی سیاست میں کبھی کوئی حصّہ نہیں لیا، مگر ان کا درجہ اردو کے ادیبوں اور نقادوں میں بلاشبہ بہت بلند ہے۔ سجاد ظہیر کے یہاں درحقیقت دو شخصیتیں تھیں۔ ایک سیاسی کارکن کی، جو کمیونسٹ تھا اور مارکسی نظریے کے مطابق ملک میں انقلاب لانا چاہتا تھا۔ دوسری ایک ادیب کی جس کے مزاج میں لکھنؤ کی تہذیب رچی بسی تھی، جو اردو اور فارسی، انگریزی اور فرانسیسی کلاسیکی ادب کے حسن کا ادا شناس تھا اور جس میں خود تخلیقی چنگاری تھی۔ سجاد ظہیر کا خاندان دولت، شہرت، سماجی وجاہت، سبھی کچھ رکھتا تھا۔ ان کے باپ اور بڑے بھائی جس راستے پر چلے تھے سجاد ظہیر نے اس سے مختلف راستہ اختیار کیا تھا۔ اس میں خطرے بھی تھے اور تکلیفیں بھی۔ سجاد ظہیر کے کردار کی پختگی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے مسلک پر مستقل مزاجی سے قائم ہے۔ انھوں نے آسائش کی زندگی اور فراغت کی زندگی کا لالچ نہ کیا، سیاسی جدوجہد کی زندگی اختیار کی مگر اس زندگی نے ان کے مزاج کو کھردرا یا کڑوا نہ بنایا۔ ان کی چال نستعلیق، ان کی بات نرم، ان کا لہجہ دھیما رہا۔ میں نے ان کو کبھی گرجتے ہوئے نہیں دیکھا، ہاں خاص موقعوں پر ان کے لہجے میں تلوار کی دھار ضرور آجاتی تھی۔ وہ آئے تو یہ لگتا ہے

کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

وہ بات کرتے تو محسوس ہوتا کہ نسیم سحری

(باقی صفحہ ۱۱ پے)

عمر حیات خاں غوری

اردو کا مسئلہ اور ہماری ذمہ داری

علمائے لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی زبان جب تک اپنے دور کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے اور اس کو سمو کر اپنے دور کی نمائندہ بنی رہتی ہے اسی وقت تک وہ زندہ زبان کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔ اور اس میں نمو پذیری کی صلاحیت پروان چڑھتی رہتی ہے۔ اسی عمل کے ذریعہ زبان اپنے سماج میں رسوخ حاصل کرتی اور اس کی آواز بن جاتی ہے۔ جہاں یہ بات صحیح ہے وہیں اس امر سے بھی انکار ممکن نہیں کہ حکومت کی پالیسیوں اور اس پر عمل درآمد کرانے والے عملے کے رویے کا بھی زبان کی ترویج و اشاعت اور اس کی نمو پذیری پر یقیناً اثر پڑتا ہے۔

اردو زبان ہی کو لیجیے۔ یہ زبان ہندوستان کی پروردہ ہے۔ دلی اور لکھنؤ اس کی پیدائش و پرورش کے مراکز ہیں اور لاہور یا کراچی کبھی بھی اس کے مرکز نہیں رہے۔ اس کے باوجود تقسیم ہند کے حادثہ کے بعد سے ملک میں ایک رجحان ابھرا جس نے اس کو پڑوسی ملک اور مسلمانوں کی زبان کہہ کر اس کے حقوق سلب کرنے کی کوشش کی۔ حکومت نے بھی اگرچہ دستور کی ۱۴ ملکی زبانوں میں اس کا نام شامل رکھا لیکن پھر بھی عملی زندگی سے اس کو دیس نکالا دے دیا گیا۔ یہاں تک کہ کچھ تنگ نظر لوگوں نے ملک کی چند سیاسی جماعتوں کی شہ پر اس زبان کو سرکاری تعلیمی اداروں میں بھی پڑھائے جانے پر دشواریاں پیدا کیں۔

اس عمل کا انجام یہ ہوا کہ ہماری نئی نسل اردو زبان سے بالکل بے بہرہ ہو گئی۔ وہ مرزا غالب کو مرجا گالب اور اقبال کو اکبال کہہ رہی ہے۔ ابتدائی کلاسوں میں خاص طور سے اس زبان کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ثانوی جماعتوں میں پہنچنے پر طلبہ میں اس زبان سے بُعد ہی نہیں بلکہ بیزاری پیدا ہونے لگی۔ ادھر تعلیمی اداروں میں اس کی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اردو پڑھنے والے طلبہ سرکاری ملازمتوں سے محروم رہنے لگے جس کی وجہ سے اردو کے بجائے دوسرے مضامین اور زبانیں پڑھنا انھیں روشن مستقبل کی ضمانت نظر آنے لگا۔ ادھر اردو اساتذہ جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ بڑی کلاسوں میں بھی انھیں طلبہ کو ابتدائی کتابیں پڑھانے کی ضرورت ہے تو اس سے ان میں بھی ایک قسم کی بددلی پیدا ہوتی ہے اور اس طرح طلبہ اور اساتذہ دونوں نے اس میں دلچسپی لینا کم کر دیا۔

ملک کے ان لسانی حالات میں صرف بڑی بڑی کتابیں لکھنا ہزاروں رسائل چھاپنا اور روزنامے نکالنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ضروری اس نسل کی تربیت کرنا اور اس کے ذہن و فکر کو اردو زبان کے سانچے میں ڈھالنا ہے جو مستقبل میں اس سرمائے کی امین بننے والی ہے۔

مرکزی حکومت کو اب اس بات کا احساس ہو گیا ہے کہ اس نے ابھی تک اس زبان کے بارے میں کوئی اچھی پالیسی نہیں اپنائی تھی۔ بلکہ اس کی پالیسی سے اس زبان کی حق تلفی ہوئی ہے۔ اس وجہ سے اب حکومت نے اردو کی حوصلہ افزائی کے بارے میں اپنی پالیسی پر نظر ثانی کی ہے وہ اردو کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے اور ایک کمیٹی کے ذریعہ اس بات کی تحقیق کرا رہی ہے کہ اس کے فروغ کے لیے کس قسم کی عملی تدابیر ناگزیر ہیں۔ اس امر میں حکومت سے نیک نیتی کی توقع رکھنی چاہیے لیکن اس کے لیے ہمیں بھی اپنا مکمل تعاون دینا ضروری ہے۔ حکومت کی اس بدلتی ہوئی پالیسی کی ایک مثال یو۔پی۔ میں سہ لسانی فارمولے کو اپنا کر سرکاری مدارس میں اردو اساتذہ

کی تقسیم ہوری ہے تو دوسری طرف مدھیہ پردیش میں ثانوی کلاسوں کے لئے اردو لکچرس کا تقرر ہے۔ جہاں تک مدھیہ پردیش حکومت کا تعلق ہے اتنے بڑے صوبے کے لئے صرف ۲ راساتذہ ناکافی ہیں۔ حکومت کو کم از کم ہر ہائر سکنڈری اسکول میں اردو اساتذہ کا لازمی تقرر کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ کالجوں کی سطح پر بھی لکچررس کا تقرر کیا جانا ضروری ہے تاکہ زبان کی اعلیٰ تعلیم کا معقول بندوبست ہوسکے۔ ہمیں اس معاملے میں حکومت کو بھرپور تعاون دینا چاہئے۔ اور حکومت کو اپنی پالیسی میں مزید کامیابی حاصل کرنے کے لئے کچھ مفید تجاویز بھی پیش کرنی چاہئیں۔

مرکزی حکومت کی لسانی پالیسی کے باوجود کوئی زبان صرف حکومت کی حمایت سے فروغ نہیں پاتی بلکہ اس کے لئے عوامی تعاون بھی لازمی ہے۔ جو ایک زندہ قوم، زندہ ملک اور زندہ زبان کے شایان شان ہو۔ اس سلسلہ میں چند تجاویز پیش ہیں۔

(۱) ملک کے طول و عرض میں ریاستی اور ضلعی سطح پر ایسی انجمنیں قائم کی جائیں جو اس بات کی نگرانی کریں کہ حکومت نے اس زبان کے فروغ کے لئے جو احکامات صادر کئے ہیں اور جو پالیسی اپنائی ہے اس پر مقامی مدارس میں کس حد تک عمل کیا جاتا ہے۔ نیز اردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد میں اضافے کی کوشش کی جائے۔

(۲) اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ مقامی سرکاری مدارس میں اردو پڑھنے والے طلبہ کی راہ میں دشواریاں پیدا نہ کی جاسکیں۔

(۳) اردو مدرسین سے رابطہ رکھا جائے اور ان کی داخلی دشواریوں کے حل کرنے میں مدد کی جائے۔

(۴) اردو میں کمزور طلبہ کے لئے شبینہ کلاسوں کا انتظام کیا جائے۔ تاکہ وہ اس زبان میں امتیازی نمبرات حاصل کرسکیں۔ اور اس طرح ان کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے۔

(۵) حکومت کی دی ہوئی مراعات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے مزید مراعات اور سہولتیں حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں سرکاری افسروں اور وزراء سے رابطہ رکھا جائے۔

(۶) ایک دارالاشاعت قائم کیا جائے۔ جہاں اردو ادب سے متعلق قدیم و جدید کتب کی اشاعت کا انتظام ہو نیز سستے ایڈیشن بھی چھاپے جائیں جو عوام میں سہولت سے پھیل سکیں۔ یہیں اردو کی درسی کتب کا اہتمام بھی کیا جائے۔

(۷) سرکاری سطح پر اردو میڈیم اسکول اور اردو یونیورسٹی قائم کرانے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں حکومت کو مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی جائے۔

(۸) اردو میں اعلیٰ صلاحیت حاصل کرنے والے طلبہ کی ملازمت، ہائر سکنڈری و کالج سطح پر لکچررس کی تقرری کی کوشش کی جائے اس سے اردو تعلیم کی حوصلہ افزائی میں بڑی مدد ملے گی۔

(۹) اردو اخبارات و رسائل کی خریداری بڑھانے کی مہم چلائی جائے۔

(۱۰) اردو اداروں کے آپسی اختلافات کو دور کرکے ان میں تعاون پیدا کرانے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ یہ ادارے ٹیم اسپرٹ کے ساتھ کام کرسکیں۔

(۱۱) نجی شعبہ میں اردو میڈیم مدارس اور کالج کھولنے کی کوشش کی جائے۔ اور ملک کی ہر ریاست میں ان کا جال پھیلا دیا جائے۔

(۱۲) انجمن ترقی اردو کی طرح ملک کی ہر ریاست میں ادارے قائم کئے جائیں جو اردو کے فروغ میں تعاون دیں۔

(۱۳) اردو میں منتخب موضوعات پر مضامین مقالے اور تقاریر کے ضلعی و ریاستی

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

کیا آپ ایک تنخواہ دار ملازم ہیں؟

کیا آپ نے

اپنی آمدنی کا گوشوارہ پیش کر دیا ہے؟

قانون کے تحت ہر اس شخص کے لئے (بشمول ایسے اشخاص جنہیں صرف تنخواہ ہی ملتی ہے) جس کی گزشتہ سال کی کل آمدنی ، ۱۹۶۱ء کے انکم ٹیکس ایکٹ کے تحت ملنے والی مختلف قسم کی چھوٹ کو منہا کرکے ۵۰۰۰ روپے سے زیادہ تھی اپنی آمدنی کا گوشوارہ پیش کرنا لازمی ہے۔

اگر آپ اپنی آمدنی کا صحیح گوشوارہ پیش کریں گے تو آپ کے انکم ٹیکس افسر کو درج ذیل امور کو یقینی بنانے میں مدد ملے گی:

(ل) قانون کے تحت آپ جس چھوٹ کے مستحق ہیں، وہ آپ کو ملے۔

(ب) اگر ٹیکس کی کوئی زائد رقم ادا کی گئی ہے تو وہ آپ کو جلد از جلد واپس کر دی جائے۔

انکم ٹیکس کا گوشوارہ بھرنے کے لئے متعلقہ فارم یا مزید معلومات کے لئے براہ مہربانی تشخیص کرنے والے اپنے انکم ٹیکس افسر یا محکمہ انکم ٹیکس کے پبلک ریلیشنز افسر سے رابطہ پیدا کریں۔

براہ مہربانی اپنے گوشوارے پر اپنے مستقل کھاتہ نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں۔ اگر آپ کو ابھی تک مستقل کھاتہ نمبر الاٹ نہیں ہوا تو آپ براہ مہربانی اپنے انکم ٹیکس افسر یا انکم ٹیکس کمشنر سے رجوع کریں۔ وہ آپ کو مستقل کھاتہ نمبر الاٹ کر دیں گے۔

جاری کردہ

ڈائرکٹوریٹ آف انسپکشن

(ریسرچ، اسٹیٹسٹکس اینڈ پبلی کیشن)

(نئی دہلی)

مراسلات

اردو مترجموں کی تنظیم کی ضرورت

ہماری زبان مورخہ ۸ر ستمبر ۱۹۷۳ء کے اداریہ میں اردو کی بقا اور ترقی کی مہم کو موثر بنانے کے لئے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ اردو کے ادیب، اساتذہ، صحافی، ناشر اور کتب فروش اپنی اپنی تنظیم بنائیں اور یہ ساری تنظیمیں ایک دوسرے سے بھرپور تعاون کریں، تعاون کے لیے ایک مشترک پلیٹ فارم انجمن ترقی اردو ہند مہیا کر سکتی ہے۔

تجویز نہ صرف اچھی ہے بلکہ کئی پہلوؤں کے اعتبار سے اہم اور مفید بھی ہے۔ اس طرح کی تنظیموں سے نہ صرف مختلف شعبوں میں اردو کی خدمت کرنے والوں کے مسائل اور دشواریاں سامنے آئیں گی بلکہ مشترکہ اقدامات سے انھیں بہ آسانی حل بھی کیا جا سکے گا۔ اسی طرح ان تنظیموں کے ذریعے اردو کے حقوق کے تحفظ کا کام بھی بہتر طور پر انجام دیا جا سکے گا۔ میرے خیال میں جس طرح یونیورسٹیوں کے اردو اساتذہ اور اردو صحافیوں کی تنظیمیں بن گئی ہیں اور خاطر خواہ طور پر کامیاب رہی ہیں اسی طرح اردو مترجموں کی ایک تنظیم بھی بنائی جانی چاہئے جس میں نہ صرف وہ اردو ٹرانسلیٹر شامل ہوں جو کسی سرکاری، نیم سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں اردو مترجم کی حیثیت سے کام کر رہے ہوں بلکہ وہ مشہور و معروف مترجم بھی جو نجی طور پر ادبی یا صحافتی شعبوں میں اردو ترجمے کے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اس طرح اردو مترجموں کی پیشہ ورانہ دشواریوں کے حل کے لئے مناسب ذرائع تلاش کیے جا سکتے ہیں اور ساتھ ہی اردو ترجمے میں جو فنی مشکلات درپیش رہتی ہیں انھیں بھی باہمی صلاح مشورے سے دور کیا جا سکتا ہے اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مختلف صوبوں یا محکموں کی طرف سے ایک ہی لفظ یا محاورے کے جو متعدد ترجمے پیش کئے جاتے ہیں جیسے فیملی پلاننگ کے لئے 'خاندانی منصوبہ بندی' اور 'کنبہ بندی' یا چیف منسٹر کے لئے 'وزیر اعلیٰ' اور 'بڑے وزیر' جیسے بہت سے دوسرے محاورات و اصطلاحات کے ترجموں میں یک رنگی پیدا کی جا سکتی ہے اور یقیناً اس سے اردو ترجمے کا معیار بھی، جس میں بدقسمتی سے بتدریج کچھ زوال پذیری محسوس ہوتی ہے، حسب ضرورت بلند کیا جا سکتا ہے۔

جو حضرات اس سلسلے میں تعاون و اشتراک کرنا چاہیں وہ ہماری زبان کے ان ہی کالموں میں یا درج ذیل پتہ پر اپنے نام اور مشورے بھیج دیں تاکہ آخر دسمبر میں انجمن ترقی اردو کی جو کل ہند کانفرنس دہلی میں ہونے والی ہے اس موقع پر اردو مترجمین کا ایک نمائندہ اجتماع بھی منعقد کئے جانے کے امکانات کا جائزہ لیا جا سکے۔

دہلی۔ • سید محمود نقوی
لٹریری ٹرانسلیشن بیورو
۱۔ تیمور پور۔ دہلی ۵۱

(صفحہ ۱۰ سے آگے)

شاندار پروگرام کی تیاریاں ابھی سے شروع کر دی گئی ہیں، جن میں کتابوں کی اشاعت، سووینیر، سمپوزیم، مشاعرہ، ادبی و تہذیبی جلسے اور اردو کے تعلق سے دوسرے کام شامل ہیں۔

• نامہ نگار

"ہماری زبان" سے خط و کتابت کرتے وقت یہ ملحوظ رکھیں کہ وہ اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ منیجر

انجمن کی خبریں

دلی میں اردو کانفرنس کے انعقاد کے فیصلہ کا خیر مقدم

دلی:- انجمن ترقی اردو دلی پردیش کی مجلس عاملہ نے اپنی میٹنگ میں انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کی طرف سے دلی میں اردو کانفرنس منعقد کئے جانے کے اقدام کا خیر مقدم کیا ہے اور ہر قسم کے تعاون کا فیصلہ کیا ہے۔

ابتداء میں مولانا ضیا احمد بدایونی اور سجاد ظہیر کے انتقال پر تعزیتی قرارداد منظور کرکے اظہار غم کیا۔ • نامہ نگار

عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو ذریعہ تعلیم برقرار

حیدرآباد:- ڈپٹی سکریٹری محکمہ تعلیم نے آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو نے وضاحت طلب کی ہے کہ انجمن نے قبل ازیں اردو کے موقف کے بارے میں کرنول کنونشن میں منظورہ قراردادوں کی نقلیں محکمہ تعلیم کو روانہ کی تھیں۔ اُن کی بجا آوری کے لئے محکمہ تعلیم نے کیا اقدامات کئے ہیں۔ ڈپٹی سکریٹری نے اس کے حوالے سے کہا ہے کہ جہاں بھی کافی تعداد میں اردو طلبہ نے داخلے کی خواہش کی ہے وہاں اردو میڈیم سکشنس کی منظوری دی گئی ہے۔ گورنمنٹ جونیر کالجس کرایہ اور امنت پور میں متوازی اردو سکشنس قائم کئے گئے ہیں۔ طلبہ کی تعداد کے مطابق اُن کالجوں میں لکچررس کی جائدادیں بھی منظور کی گئی ہیں۔

انجمن کی قرارداد پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈپٹی سکریٹری تعلیم نے کہا کہ سکنڈری اسکولوں کی اعلیٰ جماعتوں کی تدریس میں کوئی دشواری پیش نہیں ہے۔ ڈپٹی سکریٹری نے مزید کہا کہ اردو میڈیم نصابی کتابوں کی تجویز حکومت کے زیر غور ہے۔ • نامہ نگار

تلگو کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی سرکاری کاروبار میں استعمال کرنے کی اپیل

حیدرآباد:- انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے ایک بیان میں کہا ہے کہ انجمن جہاں تلگو کو آندھرا پردیش کی سرکاری زبان بنانے نیز تمام سرکاری اغراض کے لئے تلگو کے استعمال کا مطالبہ کرتی ہے وہیں وہ اردو زبان کی اہمیت کو ماننے اور اس کے حقوق کے تحفظ کا بھی مطالبہ کرتی ہے اردو زبان ریاست آندھرا پردیش کی سب سے بڑی اقلیتی زبان ہے۔ اس لئے انجمن اپنے اس مطالبہ کو دہراتی ہے کہ ریاست کے جن جن علاقوں میں (۱۰) فیصدی اور اس سے زائد اردو بولنے والے بستے ہیں وہاں اس کا استعمال سرکاری کاروبار، عدالتوں، بلدیات، ضلع پریشدوں اور پنچایت سمیتیوں میں بھی ہونا چاہئے۔ نیز تعلیمی امور میں بھی اردو والوں کے مطالبات کی تکمیل از حد ضروری ہے۔ اس لئے آندھرا پردیش کے اردو بولنے والے تلگو کے ساتھ ساتھ اپنے جائز مطالبہ کی بھی مانگ کرتے ہیں۔

• نامہ نگار

اردو کو آندھرا پردیش کی دوسری علاقائی زبان بنانے کا مطالبہ

مسٹر یم نرسمہا ریڈی صدر انجمن مسٹر کے کرشنا چاری وسید الطاف حسین نائب صدور محمد حسین خاں معتمد و مسٹر سری نواس ریڈی شریک معتمد انجمن نے حکومت آندھرا پردیش سے اپیل کی ہے کہ اردو کو آندھرا پردیش میں علاقائی دوسری زبان قرار دیا جائے۔ نیز ضلع حیدرآباد کی طرح ضلع میدک کے لئے بھی سرکاری دفاتر میں اردو کو استعمال کرنے کے احکام جاری کئے جائیں اور مستقر ضلع پر ڈگری کالج و اپونگ کالج کے قیام کی منظوری دی جائے۔

• محمد حسین خاں معتمد انجمن

اخباروں سے تراشے

اردو کمیٹی کی میٹنگ اور قراردادیں

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی طرف سے ایک اردو کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جس کے کنوینر محمد جمیل الرحمٰن صاحب ایم پی مقرر کئے گئے ہیں کمیٹی کی ایک میٹنگ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر دفتر ڈاکٹر راجندر پرشاد روڈ پر زیر صدارت جناب عزیز امام صاحب ہوئی۔

جناب آنند نرائن ملا نے اپنی تقریر میں کہا گزشتہ ۲۵ سال سے اردو کے ساتھ ناانصافیوں کی روایت چلی آرہی ہے آج یہی روایت ہمارے راستے میں حائل ہے۔ انھوں نے کہا کہ خود کانگریس تنظیم نے بھی کیا۔ کانگریس تنظیم میں ہی سب سے پہلے اردو کو اس کا جائز مقام ملنا چاہئے کانگریس کمیٹیوں کی طرف سے ہر سطح پر اردو کمیٹی قائم کی جائے۔ دفتروں میں اردو سیل قائم ہو۔ خط و کتابت، مراسلے سرکلر اردو میں بھیجے جائیں۔ اشتہارات پوسٹر اور سائن بورڈ اردو میں بھی لکھے جائیں۔ کتابیں اور لٹریچر جو دیگر زبانوں میں شائع کئے جاتے ہیں وہ اردو میں بھی شائع کئے جائیں۔ خود کانگریس کمیٹی اپنا فرض انجام دے کر مثال قائم کر سکتی ہے۔

انھوں نے کہا کہ گجرال کمیٹی کی رپورٹ میں اردو کے ساتھ کی جانے والی ناانصافیوں کا ذکر صاف صاف لفظوں میں کیا گیا اور ان ناانصافیوں کو دور کرنے کے لئے موثر تجاویز پیش کی گئیں تو یہ نقصان دہ ہوگا دستور کی دفعہ ۳۵۰ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس دفعہ کے تحت ملک کے ہر شخص کو اپنی مادری زبان میں شکایتیں اور درخواستیں دینے کا حق ہے لیکن اس کے برعکس اترپردیش کو یک لسانی اسٹیٹ بنا دیا گیا ہے اور آبادی کے ایک بڑے حصّہ کو دفعہ ۳۵۰ کے تحت عطا کردہ حق سے محروم کر دیا گیا۔

انھوں نے کہا اس بات کی کوشش کرنی ہوگی کہ دستور کے دفعات ۳۵۰-۳۴۵ اور ۳۴۷ کا مکمل طور پر نفاذ ہو اور اس پر عمل ہو۔ انھوں نے کہا کہ اترپردیش میں ۸۰ لاکھ اردو بولنے والوں کی آبادی ہے کیا یہ تعداد معقول نہیں ہے۔ جناب یونس سلیم کے اس اعتراض پر کہ خود کانگریس کمیٹی کے دفتر میں اردو داں نہیں ہیں۔ جناب عزیز امام نے فرمایا کہ انھوں نے عہدہ سنبھالنے کے بعد ۳ اردو داں افراد کو کانگریس کمیٹی میں بحال کیا ہے۔

جناب یونس سلیم، جناب حیات اللہ انصاری، اور جناب شفیع قریشی نے حکومت کی بے توجہی کی شکایتیں اور اردو کی ترقی کے لئے موثر اقدامات کرنے پر زور دیا۔ آخر میں مندرجہ ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

۱۔ طے پایا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر دفتر واقع ۵ ڈاکٹر راجندر پرشاد روڈ میں اردو کمیٹی کے دفتر کے لئے ایک موزوں اور مخصوص کمرہ حاصل کیا جائے۔ اس کے لئے دفتر اور دیگر ضروریات دفتر فراہم کی جائیں۔ یہ بھی طے پایا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی نہج پر سب ہی پردیش کانگریس کمیٹیوں ضلع کمیٹیوں میں بھی اردو کمیٹی کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۲۔ یہ تجویز طے پائی کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے

صدر دفتر اترپردیش کانگریس کمیٹی و ضلعی کانگریس کمیٹیوں کے دفتر کے سائن بورڈ اردو میں لکھے جائیں۔ کانگریس کمیٹیوں کی رسید بکیں، مختلف فارم، ہدایت سرکلر، کتابچہ، تجاویز اور دیگر مطبوعات عام فہم اردو زبان میں شائع کئے جائیں اور ہر دفتر میں اردو جاننے والے افراد مناسب عہدوں پر بحال کئے جائیں۔

۳۔ یہ تجویز طے پائی کہ اترپردیش اور بہار میں کانگریس حکومتوں کے ایما پر جو اردو اکیڈمی قائم کی گئی ہیں ان کی کارگزاریوں کا جائزہ لیا جائے اور آئندہ سرگرمیوں اور لائحہ عمل کی تفصیل طلب کی جائے۔ باتفاق آرا یہ تجویز طے پائی کہ آل انڈیا ریڈیو دہلی اور مختلف ریاستوں اور علاقوں کے ریڈیو اسٹیشنوں کے ذمہ دار عہدیداروں سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ اردو کی مقبولیت اور عام فہمی کے پیش نظر اور اردو آبادی کے تناسب کا خیال کرتے ہوئے اردو خبروں کے اوقات میں اضافہ کیا جائے۔ یہ تجویز باتفاق آرا طے پائی کہ مجوزہ غیر مسلم اردو داں ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کی جو کانفرنس لکھنؤ میں منعقد ہو رہی ہے اس کے منتظمین سے رابطہ قائم کیا جائے اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی موجودہ کارگزاریوں اور مقاصد سے انھیں روشناس کرایا جائے اور انھیں ہر ممکن سہولتیں پہنچائی جائیں۔

• دعوت۔ دہلی

اردو سے ناانصافی کا اعتراف

نئی دہلی: یہاں پر آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے اردو سے متعلق سیل کی میٹنگ میں بیشتر مقررین نے اردو کے ساتھ ناانصافی کی شکایت کی۔ یو۔پی میں اساتذہ کے تقرر کی دھاندلی دہلی میں اردو سے بے انصافی کا تذکرہ کیا۔ خود صدر کانگریس ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے اردو سے ناانصافی کو تسلیم کر لیا۔

یو پی کے اردو اساتذہ کے تقرر کے سلسلے میں بولتے ہوئے ڈاکٹر شرما صاحب نے فرمایا کہ حکومت اترپردیش کے گورنر کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ یوپی میں اردو پڑھنے والے طلبہ کی سہولیت کے لئے اردو جاننے والے چار ہزار اساتذہ کا تقرر کریں۔ اور گورنر صاحب نے اس سلسلہ میں احکامات بھی جاری کر دئے ہیں۔ دہلی سے لوک سبھا کی ممبر شریمتی سبھدرا جوشی صاحبہ نے وزیر اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے ایڈمنسٹریشن میں اردو کو نظر انداز کرنے پر افسوس اور دکھ کا اظہار کیا۔ • الجمعیۃ۔ دہلی

اردو کے ساتھ حکومت کے اقدام کا خیر مقدم

دہلی: اردو جرنلسٹوں اور ادیبوں کی ایک میٹنگ جناب کنور مہندر سنگھ بیدی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ سب سے پہلے ملک کے عظیم ادیب سید سجاد ظہیر کی موت پر ایک ماتمی ریزولیوشن پیش کیا گیا۔ میٹنگ میں شامل ہونے والے اصحاب نے یو پی میں اردو کے ساتھ کئے جانے والے اقدامات کو سراہا کہ پرائمری اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام ہوگا۔ اور دفتروں میں اردو میں دی جانے والی درخواستوں کا جواب اردو میں ملے گا۔ اردو جرنلسٹوں اور ادیبوں نے کہا کہ یوپی میں جو لوگ اس اقدام کی مخالفت کر رہے ہیں وہ فرقہ وارانہ فضا کو مکدر کرنا چاہتے ہیں۔ اردو سارے ملک میں اتحاد پیدا کرنے والی زبان ہے۔ • دعوت دہلی

جوبلی کالج میں اردو کی تعلیم کا بندوبست

لکھنؤ: اترپردیش اردو اکاڈمی کی کوششوں کے نتیجے میں سرکاری طور سے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ گورنمنٹ جوبلی انٹر کالج لکھنؤ کے نویں اور دسویں درجات نیز انٹرمیڈیٹ کے گیارھویں اور بارھویں درجوں میں اردو بحیثیت اختیاری مضمون کے پڑھانے کا مناسب انتظام کر دیا گیا ہے۔

• قومی آواز لکھنؤ

دوسرے اداروں کی خبریں

شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سید سجاد ظہیر کا سوگ

علی گڑھ ۱۰۔ انجمن اردوئے معلی شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ایک تعزیتی جلسہ سید سجاد ظہیر کے انتقال پرملال پر اردو سیمینار میں پروفیسر آل احمد سرور کی صدارت میں ہوا۔ جس میں یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے اساتذہ، طلبہ ادیبوں شاعروں اور اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والوں نے شرکت کی پروفیسر آل احمد سرور نے مرحوم کی دلنواز شخصیت، ادبی اہمیت اور اعلیٰ تنظیمی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا اور اپنے تاثرات ان الفاظ میں پیش کیے "سجاد ظہیر جنھیں مرحوم کہتے ہوئے زبان کو لکنت ہوتی ہے ۱۹۰۵ء میں لکھنؤ کے ایک ایسے معزز گھرانے میں پیدا ہوئے جو علم، دولت اور وجاہت سے سرفراز تھا۔ عام طور پر ایسے گھروں میں پیدا ہونے والے لوگ غلامی اور غریبی کے خلاف جہاد کرنے اور اس سلسلے میں مصیبتیں اٹھانے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ سجاد ظہیر کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ انھوں نے اپنے ماحول کے "بلورین قفس" سے نکلنے غریب اور مظلوم انسان کی نجات کا خواب دیکھنے اور اس خواب کو حقیقت بنانے کی ساری عمر کوشش کی۔ یورپ کا سفر سجاد ظہیر کی زندگی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس سفر میں وہ مارکسی فلسفے سے آشنا اور متاثر ہوئے یہیں انھوں نے مغرب کے بعض بڑے مصنفوں سے ملاقاتیں کیں اور یہیں انھوں نے ۱۹۳۵ء میں اردو کی دوسری بڑی انقلابی تحریک یعنی ترقی پسند تحریک کی داغ بیل ڈالی کسی تحریک کو جنم دینا زیادہ مشکل نہیں لیکن اسے پروان چڑھانا اور اس کے سائے میں ادبی کارناموں کو انجام دینا اور ادب کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔ سید سجاد ظہیر نے نہ صرف یہ کہ اس تحریک کی بنیاد رکھی بلکہ اس کے سائے کو اتنا وسیع کر دیا کہ اس نے سارے ادب کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

سجاد ظہیر نے ناول لکھا افسانے آپ بیتی اور نظمیں لکھیں یہ سب کارنامے بہت وقیع ہیں لیکن ان کی سب سے بڑی اہمیت اس میر کارواں کی ہے جس نے دور رومانیت کے رہ نوردوں کو حقیقت نگاری کی دشوار منزلوں سے آشنا کرایا۔ سجاد ظہیر بہت بڑے ادبی رہنما ادیب نقاد اور شاعر ہونے کے علاوہ ایک اچھے انسان بھی تھے۔ ان کی شخصیت میں نرمی کے ساتھ مضبوطی تھی وہ متوسط طبقے کی اس مروت سے محروم تھے جو دوستوں کی وجاہت اور کثرت کے نرغے میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے سے عاجز رہتی ہے۔ وہ ساری زندگی اپنے نصب العین اور اپنے ادبی نقطۂ نظر کی خاطر لڑتے رہے لیکن یہ لڑائی بھی ہماری رنگا رنگ تہذیب کی ایک دلکش و دلنواز شخصیت کی لڑائی تھی جو لڑائی کے آداب سے واقف تھی۔ سجاد ظہیر کے انتقال سے اردو ادب کا ایک زبردست ستون گر گیا۔ یوں تو ادیب اور شاعر پیدا ہوتے رہیں گے لیکن ایسا ادیب اور شاعر مشکل سے پیدا ہوگا جو ان کی طرح دنیا کی آسائشوں کو اپنے ادبی نقطۂ نظر کی ترویج کے لئے قربان کر دے۔ ہم سب ان کی روح کی تسکین کے لئے دعا کرتے ہیں اور یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ خدا ان کے پسماندگان کو صبر عطا فرمائے۔"

(نامہ نگار)

حلقۂ ارباب ادب بھوپال چوبیسویں سال میں داخل

بھوپال ۱۔ مدھیہ پردیش کی راجدھانی کی سب سے قدیم اردو انجمن "حلقۂ ارباب ادب" ۲۶ اگست کو اپنی ادبی زندگی کے ۲۴ ویں سال میں داخل ہو گئی ہے۔ اگلا سال سلور جوبلی سال ہوگا۔ اس کے لئے مختلف کمیٹیوں کی تشکیل کے۔

(باقی صفحہ ۹ کالم ۲ پر)

(صفحہ ۲ سے آگے)

اٹکھیلیاں کر رہی ہے۔ ایک دفعہ لکھنؤ میں رشید جہاں کے یہاں بیٹھا ہوا تھا۔ سجاد ظہیر آئے اور بیٹھ گئے۔ رکشا والا پیچھے پیچھے آیا اور ان سے پیسے مانگنے لگا۔ انھوں نے نہایت اطمینان سے پہلے رومال سے پسینہ پونچھا، پھر جیب سے بٹوا نکالا۔ پیسے نکالے اور گنے رشید جہاں پارے کی بنی ہوئی تھیں۔ رکشا والا سر پر سوار تھا۔ انھوں نے سجاد ظہیر سے کہا کہ بنّے تم ہر کام میں بڑی دیر لگا دیتے ہو۔ رکشا والے کو جلد رخصت کرو۔ ایسے اطمینان سے بیٹھے ہو جیسے اس کے وجود کی تمھیں خبر ہی نہیں۔ اسی لئے میں نے تم سے شادی نہیں کی کہ تم ہر کام بڑی دیر میں کرتے ہو۔ ہم لوگ ہنسنے لگے۔ سجاد ظہیر بھی مسکرائے اور اس طرح جیسے رشید جہاں کی ان میٹھی جھڑکیوں کے عادی ہوں اور انھیں معاف کر چکے ہوں۔

(باقی آئندہ)

سجاد ظہیر کی موت پر علی گڑھ کے ادیبوں کے تاثرات

سجاد ظہیر کی موت (ایک) بلند پایہ تخلیقی فن کار، ایک ادبی مجدد اور رہنمائے علم و فن کی موت ہے پچھلی نصف صدی میں اردو شعر و ادب کی تاریخ جن تغیرات یا تہلکات پر مشتمل رہی اُن میں ترقی پسند ادب کی تحریک کو بالکل بدیہی طور پر سب سے نمایاں مقام حاصل ہے۔ سجاد ظہیر مرحوم اس تحریک کے بانی ہی نہیں تھے بلکہ اس کی تنظیم و تنسیق اور بھرپور اور ... رس ترویج و اشاعت بھی سراسر انھیں کا ... رہا ... تھا۔ ظاہر تو وہ بہت دھیمے مزاج کے آدمی تھے لیکن ان کے اندر کہیں نہ کہیں وہ توانائی، وہ طوفان بدوش حرکت اور وہ ذہنی خروش ضرور موجود تھا جس کا اظہار اس شدید تہلکے کی شکل میں ہوا جس کو ترقی پسند ادب کی تحریک کہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سجاد ظہیر کو ایک جلیل القدر ادبی تحریک کا بانی و سربراہ جاننے اور ماننے کے بعد بھی یہ کہنے کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے اردو کی دنیائے ادب آج تک اُس گہری ادبی بصیرت کے اعتراف سے قاصر رہی ہے جس کی بدولت سجاد ظہیر نے تقریباً چالیس سال قبل وقت کے ادبی و فنی تقاضوں کو سمجھا اور تغیر و تطور کے "تاریخی عمل" کو مہمیز کیا۔ اس وقت تک ہمارے شعر و ادب میں فرسودگی اور کہنگی کے آثار حد سے زیادہ بڑھ چلے تھے اور اس کے ساتھ ہی جہاں تہاں احتجاج و بغاوت کے آثار بھی نمودار ہو رہے تھے۔ سجاد ظہیر نے اس ہمہ گیر ادبی صورت حال کو اپنی ذہنی گرفت میں سمیٹ کر ایک منظم تحریک کی شکل عطا کی اور اس دور کی ساری ادبی و فنی توانائیوں کو ایک مرکزی نقطے پر مجتمع کر دیا۔ ترقی پسندی کا طوفان بظاہر کچھ نئے ادبی تصورات یا نظریات اپنے ساتھ لایا لیکن در اصل اس تحریک نے ادب کے بعض بنیادی خصائص و فرائض کے احساس کو تازہ کیا اور اُن اساسی ادبی اقدار کو از سر نو مقبول بنانے کی کوشش کی جن کو بڑی حد تک بھلایا جا چکا تھا۔ اس نشاۃ الثانیہ کے مجموعی اثرات ایک اہم ادبی ورثے کے طور پر نہ صرف اردو بلکہ ساری ہندوستانی ادب کی رگ و پے میں جاری و ساری ہیں، اور تاریخی نقطۂ نظر سے ان کو ہمیشہ سجاد ظہیر کا زرّ خیال کیا جائے گا۔ کسی ایک تنہا شخص کی ادبی جرأت و جسارت اس درجہ قابل ذکر نتائج و ثمرات کا باعث ہوئی ہو اس کی کوئی دوسری مثال کم سے کم اس صدی کی ادبی تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔

تقریباً دو سال پہلے میں نے ایک ملاقات میں مرحوم سے یہ کہا تھا کہ آپ کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ آج تک مرتب ہو کر شائع نہیں ہوا اور اگر اس کمی کو جلد پورا نہ کیا گیا تو اردو میں ادبی تنقید کی ایک اہم کڑی ہمیشہ کے لئے گم ہو کر رہ جائے گی۔ انھوں نے جواب میں اس قدر کہا کہ میرے پاس تو وہ مضامین نہیں ہیں نہ اُن کی نقلیں ہیں۔ بظاہر وہ اپنی تنقیدی تحریروں کی گراں بہا اہمیت سے بالکل بے خبر تھے اور شاید اس حقیقت کی طرف سے یکسر بے نیاز کہ ان کی تنقیدی تحریریں ترقی پسندانہ عملی تنقید کے بہترین اور متوازن ترین نمونے ہیں۔ میں نے جو بات کبھی

اس پر انھوں نے کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا۔ ایک نرم و ملائم نظر میرے اوپر ڈالی اور شاید یہ سوچنے لگے کہ یہ کوئی ادبی مراقی ہے جو خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا رہا ہے۔ میں نے اپنی تجویز کی مزید وضاحت کی۔ کچھ سمجھے، اور اپنے مخصوص حسین و پُر وقار انداز میں نظر جھکا کر خاموش ہو گئے۔ بارے اس گفتگو میں یہ طے پا گیا کہ میں ان کے بکھرے ہوئے تنقیدی مضامین کو جمع کر کے ایک جامع و مفصل مقدمے کے ساتھ اشاعت کے لئے تیار کر دوں۔ دو سال میں اُن کے مضامین کی نقول فراہم کرنے میں لگا رہا، اور اب وہ بھی اپنے ہر خط میں اس کام کی تکمیل کا تقاضا کرتے رہے۔ بالآخر پچھلے ہفتے میں اپنے چند ذاتی مشاغل کے سلسلے میں دہلی گیا اور اب تک جس قدر مضامین اکٹھے کر چکا ہوں ان کا مسودہ ساتھ لیتا گیا تاکہ وہ بھی اس سرمائے پر ایک نظر ڈال لیں (مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ دہلی میں نہیں ہیں)۔ جس دن دہلی پہنچا اسی دن شام کو اردو بازار کے ایک ناشر کے یہاں اس غرض سے گیا کہ فون پر ان کو اپنی آمد سے مطلع کر دوں اور ملاقات کا وقت معلوم کر دوں۔ ناشر نے بتایا کہ دو دن پہلے آلما آتا میں ان کا انتقال ہو گیا اور ایک آدھ دن میں اُن کی نعش دہلی پہنچنے والی ہے۔ میں نے ۱۴ر ستمبر کو ونڈسر پلیس (دہلی) میں ان کی میت پر فاتحہ پڑھی، تعزیتی جلسے میں شریک ہوا، اور جنازہ بردوش مسودہ مضامین کو اپنے ساتھ لئے ہوئے علی گڑھ واپس آگیا۔ • اختر انصاری

(۴)

میری نسل کے شاعر اور ادیب اگر چاہیں بھی تو سجاد ظہیر کی شفقت اور محبت کو فراموش نہیں کر سکتے۔ آج کچھ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بنّے بھائی کے ساتھ اردو ادب کی تاریخ کا ایک دور بھی ختم ہو گیا لیکن ان کے جلائے ہوئے چراغ آج بھی روشن ہیں اور آج ان چراغوں سے نہ جانے کتنے اور چراغ روشن ہوں گے اور ہر نئے چراغ کی روشنی بنّے بھائی کی یاد تازہ کرتی رہے گی۔ • جذبی

(۳)

سجاد ظہیر کے اچانک انتقال کی خبر سن کر رنج ہوا۔ مجھے ان کی زندگی میں کئی بار ان سے ملنے کا اتفاق ہوا، اور ہر مرتبہ وہ نہایت توجہ اور تپاک سے پیش آئے۔ ان کی شخصیت ان تمام خوبیوں کا مرقع تھی، جو اعلیٰ متوسط طبقے کے پڑھے لکھے لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے یہاں ایک رکھ رکھاؤ، متانت، معصوم وقار، اور ایک سلیقہ اور قرینہ پایا جاتا تھا۔ سجاد ظہیر کی شہرت کا زیادہ تر دار و مدار ان کی اس حیثیت پر تھا کہ وہ ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کے خد و خال آراستہ کرنے والوں میں سمجھے جاتے تھے اور اس کے مسلمات کے پرجوش مبلغ اور داعی تھے۔ ان کی معروف کتابیں تین ہیں، یعنی لندن کی ایک رات، ذکر حافظ اور روشنائی۔ پہلی کتاب دوسرے درجے کا ایک دلچسپ ناول ہے۔ تیسری میں ترقی پسند تحریک کا اس کے معماروں میں سے ایک کی طرف سے سرسری سا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسری کتاب البتہ کسی قدر بہتر ہے۔ ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کے حجم میں خاصا اضافہ کیا، لیکن یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ اس نے شعر و ادب کے بارے میں ایک گمراہ کن تصور کو عام کرنے میں خاصا اہم رول ادا کیا۔ تخلیقی عمل اور اس کی باز آفرینی دونوں کے سلسلے میں اول کار نامہ جن نزاکتوں اور پیچیدگیوں سے آگاہی کا مطالبہ کرتا ہے اس سے مارکسی تنقید کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ ادب اور تنقید کو کسی بندھے ٹکے فارمولے کے تابع کرنے سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوتا، اور اس معاملے میں اذعانیت اور قطعیت کو جتنا فروغ ہو اور زیادہ مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ سجاد ظہیر کمیونسٹ پارٹی کے سرگرم کارکن اور ایک اچھے صحافی تھے، اور شعر و ادب کا وہی تصور رکھتے تھے جو ان دونوں حیثیتوں کا جامع شخص رکھ سکتا ہے۔ گو ترقی پسند تحریک اب پوری طرح دم توڑ چکی ہے، لیکن سجاد ظہیر کی دلکش شخصیت ان کے دوستوں اور قدردانوں کے دلوں میں عرصے تک ان کی یاد کو تازہ رکھیں گی۔ • اسلوب احمد انصاری

(باقی آئندہ)

(صفحہ ۲ سے آگے)

اور لکھی جانے پر مقابلے منعقد کئے جائیں جو مختلف معیار اور رنگا رنگ انداز کے حامل ہوں۔ ان میں کامیاب طلبہ کو انعامات دے کر حوصلہ افزائی کی جائے۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ۔ پرنٹر و پبلشر سید نقی حسین جعفری ایم اے نے نظامیہ کو آپریٹو پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا